(۱۹)

وصیت کی اصل غرض اور ضرورت

(فرمودہ ۱۴ مئی ۱۹۲۶ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

بعض امور بظاہر چھوٹے نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے گرد و پیش ایسے حالات جمع ہو جاتے ہیں کہ ان حالات کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت پکڑ جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ہماری جماعت میں ایسے امور کی مثالوں میں سے ایک اہم مثال حصہ وصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ تو سب باتوں کو جانتا ہے مگر میں سمجھتا ہوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب رسالہ الوصیۃ شائع کیا تو آپ کے ذہن میں وہ مشکلات نہ تھیں جو آئندہ زمانہ میں اس سلسلہ کے گرد جمع ہونے والی تھیں۔ ان مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں وصیت عقلی طور بھی نجات کا ذریعہ ہے۔ اگر وہ مشکلات نہ پیدا ہوتیں اور اس قسم کے حالات وصیت کے متعلق رونما نہ ہوتے تو خیال ہو سکتا تھا کہ وصیت سے جنت کا کیا تعلق؟ مگر اس کے گرد و پیش ایسی مشکلات جمع ہو گئی ہیں جو قرآن کریم کے بتائے ہوئے قاعدہ کے ماتحت بتاتی ہیں کہ وہ اس امر کے گرد جمع ہوتی ہیں جو ہدایت کا باعث ہو۔ دیکھو خدا تعالیٰ فرماتا ہے یضل بہ کثیرا ” ویھدی بہ کثیرا “ (البقرہ ۲۷) کہ جو چیز ہدایت دینے والی ہوتی ہے اس کے ذریعہ بہتوں کو ٹھوکر بھی لگتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم جب بہت بڑی ہدایت لے کر آیا تو اس وقت بڑی ضلالت بھی آئی۔ توریت میں قرآن کریم کی نسبت ہدایت کم تھی اس وقت ٹھوکر بھی کم تھی۔ رسول کریم ﷺ چونکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے دنیا کے واسطے نبی بنا کر بھیجے گئے اور آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی نبوت کو منسوخ کر دے۔ اس لئے آپ کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے کفر کا دروازہ بھی کھول دیا گیا۔ اب موسوی شریعت کا انکار کفر نہیں کیونکہ اس کا زمانہ ختم ہو گیا مگر اس کا کمال بھی ختم ہو گیا اب کوئی شخص موسوی شریعت پر چل کر روحانی کمال حاصل نہیں کر سکتا۔

اس کے مقابلہ میں اگر اسلام کے ذریعہ خدا کے قرب کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھولا گیا تو اس کے ساتھ ہی کفر کا دروازہ بھی ہمیشہ کے لئے کھل گیا۔ پس ہر ہدایت کے ساتھ ضلالت برابر چلتی ہے۔ اور یہ دونوں پیرلل لائن (PARALLEL LINE) پر متوازی چلتی ہیں۔ کیونکہ جو چیز یھدی بہ کثیرا" ہو گی وہ ساتھ ہی یضل بہ کثیرا" بھی ہو گی۔ اب اگر وصیت کا مسئلہ یضل بہ نہ ہوتا۔ تو عقل تسلیم نہ کرتی کہ بھلائی کا باعث بن سکتا۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ جو چیز ہدایت کا باعث ہوتی ہے اس کے ساتھ ضلالت کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی سنت بدلا نہیں کرتی۔

اب دیکھو وصیت کس طرح ٹھوکر کا موجب ہوئی۔ پہلے تو غیر احمدیوں کو اس سے ٹھوکر لگی انہوں نے کہا روپیہ کمانے کا ڈھنگ نکالا گیا ہے ورنہ کسی زمین میں دفن ہو کر کوئی بہشتی کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ بھی وہی بات ہوئی جو کئی مقامات پر بہشتی دروازہ بنا کر کہی جاتی ہے کہ جو اس دروازہ میں سے گذر جائے وہ بہشتی ہو گیا۔

اس طرح وصیت بہت سے لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے اس کی حقیقت اور مغز کو نہ سمجھا۔ وصیت کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا کہ کوئی اس زمین میں دفن ہونے سے بہشتی ہو جائے گا۔ اگر کسی کافر کو رات کے وقت لوگ اس میں دفن کر جائیں یا کسی ہندو کو دفن کر دیا جائے۔ تو کیا وہ اس لئے جنتی ہو جائے گا کہ اس جگہ دفن کر دیا گیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ نہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ منشاء تھا۔ اور نہ خدا تعالیٰ کا کہ خواہ کوئی کسی طرح اس زمین میں دفن ہو جنتی ہو گا۔ بلکہ جو اصل منشاء تھا وہ یہ تھا کہ وصیت کے قواعد کو پورا کر کے جو داخل ہو گا وہ جنتی ہو گا گویا وصیت کے قواعد پورے کرنا علامت ہو گی اس بات کی کہ پورا کرنے والا بہشتی ہے جیسے قرآن کریم میں مومن کی علامتیں بتائی گئی ہیں کہ نماز کا پابند ہو۔ زکوٰۃ دے۔ حج کرے۔ خدا کی توحید پر ایمان لائے۔ رسولوں پر ایمان لائے تو جنتی ہو گا۔ مگر دوسری جگہ کہا محمد ﷺ پر ایمان لانے والے جنتی ہیں۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ ان شرائط کے ساتھ جو ایمان لائیں وہ جنتی ہیں۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ رکھا کہ جو ان شرائط کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے جنتیوں میں شمار کرتا ہے۔ کیونکہ انسان کا دل اس بات کا خواہاں ہوتا ہے کہ اسے کس طرح پتہ لگے کہ خدا کی رضا اسے حاصل ہو گئی ہے اور ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ کی مرضی اور منشاء معلوم کرنے کے ذرائع مختلف ہوتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کی تڑپ معلوم کر کے وصیت کے قواعد کے ذریعہ بتایا کہ اگر تم میں ایسا اخلاص ایسا ایمان اور

ایسا تعلق باللہ ہو تو سمجھ لو کہ تم جنتی ہو گئے ۔ اس سے کم ہو تو بات مشتبہ ہے۔ خدا ہی جانتا ہے تمہارا انجام کیا ہو گا تو یہ ایک ذریعہ ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کون جنتی ہے جیسے کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے آپ کی معرفت فرمایا تھا جنت ان کو ملے گی جو خدا کی راہ میں جان اور مال دیں گے۔ چونکہ اس وقت جہاد کی ضرورت تھی۔ اس لئے جان کی بھی شرط تھی اور اس وقت یہی بہشتی مقبرہ تھا اور اس کی علامت یہ تھی کہ جان اور مال دیا ہے۔ مگر اب ایسا زمانہ ہے کہ پہلے زمانہ کی طرح جانیں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اخلاق اور اعمال اور اموال کی قربانی کی ضرورت ہے۔ کوئی کہے کہ رسول کریم ﷺ کے وقت بہشتی مقبرہ کیوں نہ بنایا گیا؟ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے اس زمانہ میں حالات ایسے تھے کہ تاریخی طور پر بہشتی لوگوں کی قبروں کو محفوظ رکھنا مشکل تھا۔ اس وقت ریلیں نہ تھیں کہ دور دراز سے لاشیں لائی جاسکتیں لوگوں میں اتنی جہالت تھی کہ قبروں کو اکھیڑ کر پھینک دینا معمولی بات سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے قبریں قائم نہ رہ سکتی تھیں۔ اگر اس زمانہ میں بھی اس طرح کی سہولتیں ہوتیں جیسی اب ہیں تو ان کے لئے بھی الگ مقبرہ تجویز کیا جاتا۔ مگر اس وقت لاشوں کا پہنچانا بہت مشکل تھا اور اب تو ممکن ہے کہ دنیا کے دوسرے سرے سے بھی لاش آجائے۔ ہوائی جہاز کے ذریعہ امریکہ سے دو چار دن میں لاش یہاں پہنچ سکتی ہے۔ پس اب وہ زمانہ ہے جب کہ لاشیں دور دور سے پہنچ سکتی ہیں اور قبروں کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔ اس لئے ظاہری علامت کے طور پر مقبرہ بہشتی بھی مقرر کر دیا گیا ہے۔ ورنہ مقبرہ بہشتی تو پہلے سے ہی اسلام میں موجود ہے۔ کئی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت البقیع میں دفن ہونے والوں کے متعلق رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ یہ جنتی ہیں۔ اسہ چنانچہ بعض نادانوں نے جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو جو ان کے متعلق خیال کرتے تھے کہ کافر ہو گئے انہوں نے کہا ہم اس جگہ دفن نہ ہونے دیں گے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جو اس جگہ دفن ہو گا وہ جنتی ہو گا۔ اس وجہ سے وہ جنت کے ٹھیکہ دار کہنے لگے ہم دفن نہ ہونے دیں گے۔ انہوں نے یہ اسی لئے کہا کہ اس زمین کے متعلق رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس میں دفن ہونے والا جنتی ہو گا۔ میں اس کا نام وعدہ نہیں رکھتا نہ اس کا اور نہ اس کا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقبرہ کے متعلق فرمائی۔ بلکہ یہ خبر ہے اور وعدہ اور خبر میں فرق ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ علامتیں بتائی گئی ہیں کہ جس میں وہ پائی جائیں۔ اس کو پہچان لو کہ جنتی ہو گا۔

پس پہلے تو وصیت سے ٹھوکر غیر احمدیوں کو لگی۔ اور "یضل بہ کثیرا" اس طرح پورا ہوا۔

جس سے معلوم ہوا کہ یہ بھدی بہ کثیرا" بھی ضرور ہو گا۔ دوسری ٹھوکر کمزور ماننے والوں کو لگی انہوں نے وہی خیال کر لیا جو رسول کریم ﷺ کے اقوال سے کمزور ایمان والے مسلمانوں نے سمجھ لیا تھا کہ جو بقیع میں داخل ہو جائے وہ جنتی ہو گا۔ اسی طرح انہوں نے خیال کر لیا کہ جو بہشتی مقبرہ میں داخل ہو جائے خواہ کسی طرح داخل ہو جنتی ہو گا۔ یہ خیال کر کے انہوں نے دھوکہ سے اس میں داخل ہونا چاہا۔ مثلاً اس طرح کہ کہہ دیا ہمارے مرنے کے بعد اتنی جائداد لے لینا۔ حالانکہ اتنی جائداد ہی نہ تھی۔ اس طرح انہوں نے گویا رجسٹر مقبرہ بہشتی میں اپنا نام لکھا جانا کافی سمجھا جنتی بننے کے لئے اگر یہی بات ہو کہ جس طرح بھی کوئی اس زمین میں دفن ہو جائے وہ جنتی بن جائے۔ تو ہمیں سارا روپیہ اس پر خرچ کرنا پڑے کہ مقبرہ کے ارد گرد پہرہ دار مقرر کئے جائیں۔ جو بندوقیں لے کر کھڑے رہیں تاکہ اس میں کوئی زبردستی دفن نہ کر جائے۔ ادھر جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف داخل ہو جانے سے ہی جنت مل سکتی ہے وہ رات کو لاش لا کر دفن کر جائیں۔ اس طرح مقبرہ تمسخر اور کھیل بن جاتا ہے۔

پس بعض نے اس طرح ٹھوکر کھائی کہ خیال کر لیا اس زمین میں دفن ہونے سے انسان جنتی بن جاتا ہے۔ اور اس کے لئے لگے دھوکے کرنے اور بعض نے اس کی غرض اور منشاء کو نہ سمجھ کر دھوکہ کھایا۔ کوئی کہے ادھر جنتی بننے کی خواہش اور ادھر دھوکہ کرنا یہ دونوں متضاد باتیں کس طرح پائی جا سکتی ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے جو لوگ ایمان کو ٹونے ٹوٹکے کے طور پر سمجھتے ہیں اور جن کے عقیدہ کی بنیاد عقل پر نہیں ہوتی وہ اس قسم کی متضاد باتیں جمع کر لیتے ہیں۔ ہم اس کا نام ظاہر پر محمول کر کے دھوکہ رکھتے ہیں۔ مگر ایسے لوگ حقیقت میں سمجھتے ہیں کہ ایسا ہی ہو سکتا ہے اس لئے وہ اپنے نزدیک دھوکہ نہیں کر رہے ہوتے۔ عام مسلمانوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے اور حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سناتے تھے کہ بعض لوگ قرآن کریم کی چوری چوری نہیں سمجھتے۔ اور ان کا خیال ہے۔ خدا کا کلام چرا لینا گناہ نہیں۔ ایک دفعہ ایک دوست کے سپرد کچھ روپے تھے اس نے ذاتی مصارف میں اس خیال سے صرف کر لئے کہ جب میرے پاس ہوں گے دیدونگا۔ میرا اس شخص سے بہت تعلق تھا۔ مگر انجمن میں میں نے ہی یہ سوال اٹھایا کہ اس طرح ان کو خرچ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس دوست نے بھی اقرار کر لیا کہ غلطی ہو گئی ہے میں جلد روپیہ ادا کر دوں گا۔ مگر ایک اور دوست کھڑے ہو گئے جنہوں نے یہ بحث شروع کر دی کہ یہ غلطی ہے ہی نہیں کیونکہ روپیہ خدا کے لئے جمع کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی خدا کی مخلوق ہیں ان کو ضرورت تھی انہوں نے خرچ کر لیا تو حرج کیا ہو گیا اور اس میں

غلطی کیا ہوئی۔ تو ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ واضح بات ہے کہ خدا کے لئے روپیہ جمع کیا جاتا ہے۔ اور سب خدا کے بندے ہیں مگر جب اپنی ذات کے متعلق فیصلہ کرنا ہو تو غلطی کر جاتے ہیں۔ اس کے لئے فیصلہ کرنے والے اور ہونے چاہئیں۔ تو بسا اوقات انسان سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں دیانت داری کے ماتحت ہے مگر وہ بے وقوفی اور نادانی ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جنہوں نے کسی نہ کسی طرح مقبرہ بہشتی میں داخل ہونے کی کوشش کی وہ دھوکہ باز تھے۔ بہت سے ان میں ایسے تھے جنہوں نے صرف یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہونے کے لئے مقبرہ بہشتی میں دفن ہو جانا کافی ہے پھر کیوں نہ ہم دنیا میں بھی مال سے فائدہ اٹھائیں۔ بلکہ میں تو کہوں گا ایک رنگ میں ان کا ایمان بڑھا ہوا تھا کہ انہوں نے سمجھا اگر ہم دھوکہ کر کے بھی مقبرہ میں داخل ہو جائیں گے تو بھی خدا تعالیٰ ہمیں اس مین داخل ہونے کی وجہ سے جنتی قرار دے دیگا۔ بے شک ایسے لوگ غلطی پر تھے۔ اور ان کا خیال درست نہ تھا۔ انہوں نے وصیت کا غلط مفہوم لیا اور دھوکہ میں پڑ گئے مگر وصیت سے سب سے بڑا فتنہ ایک اور پیدا ہوا جو خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ اور وہ خلافت کے متعلق فتنہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خیال بھی نہ ہو گا جب آپ نے وصیت لکھی کہ ایسی جماعت بھی پیدا ہو گی جو اس کے ماتحت کہے گی کہ خلیفہ نہیں ہونا چاہئے۔ مگر اس طرح بھی وصیت ٹھوکر کا باعث ہوئی۔ اور ایسا فتنہ پیدا ہوا جس نے جماعت کو تہ و بالا کر دیا۔ اور ایک وقت تو ایسا آیا کہ سوائے معدودے چند لوگوں کے سب اس طرف ہو گئے کہ خلیفہ کو منتخب کرنا غلط تھا۔ مگر حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی تقریر نے بتا دیا کہ یہ خیال غلط تھا اور خلیفہ کا انتخاب بالکل درست تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد جماعت پر روحانیت اور برکات کے نزول کا خاص وقت تھا۔ اور یہ ممکن ہی نہیں کہ نبی کے فوت ہونے کے معاً بعد جماعت گمراہی اور ضلالت پر جمع ہو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے نبی کو اٹھا لیا اور جماعت سب سے زیادہ رحم کی مستحق ہو گئی۔ اس وقت خدا تعالیٰ جماعت کو گمراہ ہونے دے۔ پس در حقیقت سچا فیصلہ وہی تھا جو جماعت نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے متعلق کیا۔ لیکن پھر بھی کچھ ایسے لوگ تھے۔ اور اب تو ان میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ جن کا خیال ہے کہ خلیفہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اور ایک ٹکڑہ پراگندہ ہو کر جماعت سے باہر چلا گیا پراگندہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ اس میں کوئی اتحاد نہیں مگر ان میں ایسے لوگ شامل ہیں جو کسی وقت جماعت میں اہمیت رکھتے تھے۔ تو ان کے لئے وصیت ٹھوکر کا موجب ہوئی اور "یضل بہ کثیرا" ان کے متعلق بھی

ظاہر ہوا ہے میں سمجھتا ہوں وصیت کے مسائل ابھی ایسے پیچیدہ ہیں کہ آئندہ بھی ٹھوکر کا موجب ہو سکتے ہیں۔ مگر میں "سرود مستاں یاد دہانیدن" کے مطابق ان کا ذکر نہیں کرنا چاہتا۔ اس وقت میں صرف ایک مسئلہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں اور وہ وہ مسئلہ ہے جس کا اس سال کی مجلس مشاورت میں بھی ذکر ہوا تھا کہ کس قدر آمد پر کوئی شخص وصیت کرے۔ اور آمد اور جائداد پر وصیت ہو یا نہ ہو میں نے جہاں تک وصیت کو پڑھا ہے کبھی ایک منٹ کے لئے بھی مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس سے منشاء یہ تھا کہ جو اس زمین میں دفن ہو جائے وہ جنتی ہو گا۔ یہ بات ایسی ہے کہ خدا تعالیٰ تو الگ رہا حضرت مسیح موعود کی طرف بھی منسوب نہیں کی جاسکتی اور یہ وہ تعلیم ہے کہ شروع سے لے کر اخیر تک جس کا قرآن انکار کر رہا ہے۔ میں تو یہ سمجھ نہیں سکتا کہ کوئی شخص خدا تعالیٰ رسول کریم ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق رکھنے سے تو جنتی نہ ہو سکے۔ لیکن اس زمین میں دفن ہونے سے جنتی ہو جائے۔ اس طرح تو نعوذ باللہ اس زمین کا خدا تعالیٰ سے بھی بڑا درجہ ہوا کہ اس زمین سے تعلق رکھنے والا جنتی بن سکتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ اور حضرت مسیح موعود سے تعلق رکھ کر کوئی شخص جنتی نہیں بن سکتا تو پھر اس زمین میں کونسی طاقت ہو سکتی ہے کہ جو اس زمین میں دفن ہو جائے۔ وہ سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بات قرآن کریم کی تعلیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم اور خود وصیت کی تعلیم کے خلاف ہے۔ جو منشاء وصیت کا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک ادنیٰ قربانی پیش کی ہے۔ جو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ جو شخص اس قدر قربانی کرتا ہے۔ اس کے نفس میں اصلاح ہے اور جو اتنی قربانی کر دے اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ جنتی ہے پس اگر وصیت سے اس قسم کی قربانی مراد ہے تو وصیت کو اس کے ماتحت لانا ہو گا۔ اور جس بات میں قربانی نہ پائی جاتی ہو گی۔ وہ وصیت کے خلاف ہو گی۔ میں اس وقت تفصیلات کے متعلق بولنے کے لئے کھڑا نہیں ہوا۔ جس بات کے بتانے کے لئے کھڑا ہوا ہوں وہ یہ ہے کہ کسی دوست نے بتایا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے چونکہ آج کل روپیہ کی سخت ضرورت ہے اس لئے وصیت کے نئے معنے کئے جاتے ہیں۔ جن سے غرض یہ ہے کہ زیادہ روپیہ وصول ہو جائے۔ گو یہ نہایت نامعقول اعتراض ہے مگر میں اس پر برا نہیں مناتا کیونکہ میں کسی سے اپنے لئے روپیہ نہیں مانگتا بلکہ خدا کے دین کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اور اسی کے لئے میں روپیہ مانگتا ہوں اگر اس روپیہ سے خلیفہ کی ذاتی جائداد بنتی اور اس کے رشتہ داروں کو ورثہ میں ملتی تو اعتراض ہو سکتا تھا کہ میں اپنے لئے روپیہ

جمع کرنے کے لئے ایسا کر رہا ہوں۔ لیکن اگر یہ مال دین کی خدمت میں صرف ہوتا ہے۔ اور مجھ کو ذاتی طور پر اس سے کوئی نفع نہیں پہنچتا تو پھر اگر میں وصیت کے ایسے معنی کرتا ہوں جن کی رو سے خدا تعالیٰ کے دین کے لئے زیادہ روپیہ جمع ہو سکتا ہے تو یہ میرے لئے کونسی شرم کی بات ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی وصیت کی غرض یہی بیان فرمائی ہے کہ اس ذریعہ سے جو روپیہ حاصل ہو گا وہ خدا کے دین کی اشاعت کے لئے خرچ کیا جائے گا۔ پس جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس سے یہی غرض ہے کہ روپیہ آئے جو دین کی اشاعت کے لئے خرچ کیا جائے۔ تو پھر اگر ہم نے ایسے معنی کئے کہ زیادہ روپیہ آئے تو یہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ کسی بات سے انسان کی دو غرضیں ایسی ہوتی ہیں جو مذموم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ایسے عقائد گھڑنا چاہتا ہے جن کی وجہ سے دوسروں کو شکنجہ میں کس سکے۔ اور دوسرے ذاتی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وصیت کے معاملہ میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں پھر مجھے اس اعتراض پر کیا رنج ہو سکتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر اس رنگ میں ہر بات کو بدلا جائے تو کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جو لوگ وصیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ خواہ کوئی کتنی ہی قلیل رقم ادا کرے اس کی وصیت ہو جاتی ہے۔ ان کا یہ مقصد ہے کہ وہ بغیر کچھ دیئے مقبرہ میں داخل ہو جائیں۔ اگر ان کا حق ہے کہ یہ کہیں کہ وصیت کو مال کی قربانی اس لئے قرار دیا جاتا ہے کہ اس طرح زیادہ روپیہ وصول ہو تو دوسروں کا بھی حق ہے کہ وہ کہیں کہ ان کا یہ مطلب ہے کہ بغیر کچھ دیئے داخل ہو جائیں لیکن میں سمجھتا ہوں کم سے کم اس خیال کے جو لیڈر تھے ان کی یہ نیت نہ تھی۔ اس خیال کے بہت بڑے مؤید میر محمد اسحاق صاحب تھے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان کے ذہن میں یہ بات نہ تھی کہ یونہی لوگ مقبرہ بہشتی میں دفن ہو جائیں بلکہ یہ تھی کہ وصیت کا منشاء ہی وہ ہے جو انہوں نے سمجھا دوسرے اس خیال کے مؤید شیخ عبدالرحمان صاحب مصری تھے۔ ان کو بھی میں جانتا ہوں۔ اور بچپن سے جانتا ہوں ان کا منشاء بھی یہی تھا کہ حضرت صاحب کا منشاء وہی ہے جو انہوں نے سمجھا ان کی تائید میں جو اور لوگ تھے ان کی سخت غلطی تھی۔ مگر جو کچھ انہوں نے کہا دیانتداری سے کہا اور مجھے ان کے متعلق ایک ذرا بھی شبہ نہیں کہ ان کا خیال تھا کہ بغیر کچھ دیئے جنت میں داخل ہو جائیں۔ پھر جس نے یہ کہا کہ وصیت کے نئے معنی اس لئے کئے جاتے ہیں کہ روپیہ آئے اگرچہ اس کا خیال نہایت بے ہودہ ہے۔ مگر مجھے اس پر غصہ نہیں ہے۔ کیونکہ میں یہی چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے زیادہ سے زیادہ روپیہ آئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ والسلام فرماتے ہیں۔

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

کہ خدا تعالیٰ کی محبت کے بعد محمد ﷺ کے عشق میں مخمور ہوں اگر یہ کفر ہے تو خدا کی قسم میں سب سے بڑا کافر ہوں۔ اسی طرح میں کہتا ہوں۔ اگر وصیت کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کی خاطر مال جمع کرنے سے مجھ پر لالچ کا الزام آتا ہے۔ تو بخدا میں اس سے بھی بڑا لالچی ہوں جس قدر کوئی مجھے کہہ سکتا ہے۔ اگر وصیت کے الفاظ مجھے اجازت دیتے تو میں کہتا ۱/۳ سے کم کی وصیت نہیں ہو سکتی۔ لیکن افسوس کہ الفاظ اس لالچ کی اجازت نہیں دیتے پس مجھے تو خدا کے دین کے لئے روپیہ جمع کرنے کی اس سے زیادہ حرص اور لالچ ہے جس قدر کوئی کہہ سکتا ہے۔ اگر مجھے حضرت مسیح موعود کے منشاء کے خلاف کا خیال نہ ہوتا اور پھر مختلف طبائع کا خیال نہ ہوتا تو میں اس وقت کی ضروریات کے مطابق یہی فیصلہ کرتا کہ ۱/۳ حصہ کی وصیت کی جائے۔ اب میں ایسا تو نہیں کر سکتا۔ لیکن میرا عقیدہ یہی ہے کہ یہ بھی جائز ہے۔ جب احمدیت ترقی کرے گی۔ ہماری جماعت کے لوگوں کی آمدنیاں زیادہ ہوں گی۔ ہمارے ہاتھ میں حکومت آجائے گی۔ احمدی امراء اور بادشاہ ہوں گے۔ تو اس وقت ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کافی نہ ہو گی۔ اس وقت سلسلہ کی باگ جس کے ہاتھ میں ہوگی وہ اگر وصیت کے لئے ۱/۳ حصہ ضروری قرار دیدے تو یہ جائز ہوگا۔ مگر ابھی وہی زمانہ ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلواۃ والسلام کے وقت تھا۔ اس لئے ابھی یہ حکم نہیں دیا جا سکتا گو دل یہی چاہتا ہے کہ زیادہ روپیہ آئے اور ۱/۳ حصہ کی وصیت کی جائے۔ مگر ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے......................... اس وقت حکومت احمدیت کی ہو گی۔ آمدنی زیادہ ہو گی۔ مال و اموال کی کثرت ہو گی۔ اور ۱/۱۰ حصہ داخل کرنا کوئی بات ہی نہ گی۔ مگر اب تھوڑی جماعت ہے۔ جس نے بہت بوجھ اٹھانا ہے۔ احمدیت کی وجہ سے ہمارے آدمیوں کی ملازمتیں رکی ہوئی ہیں۔ ترقیاں رکی ہوئی ہیں۔ تجارتیں رکی ہوئی ہیں۔ ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ۶۰ یا ۶۵ فیصدی جو چندہ دیتے ہیں وہی بڑا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جب تجارت اور حکومت ہمارے قبضہ میں ہو گی اس وقت اس قسم کی تکلیفیں نہ ہوں گی۔ ایسے زمانہ میں اگر وصیت کے چندہ کو انتہائی حد تک بڑھا دیا جائے تو یہ بھی جائز ہو گا۔ کیونکہ اصل غرض اس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مالی قربانی کا موقعہ دینا ہے۔ اور مال زیادہ ہو تو زیادہ دینے سے ہی قربانی ہو سکتی ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ فرماتے کہ جو شخص وصیت کئے بغیر مرے وہ دوزخی ہے۔ تو میں کہتا ہوں وصیت کو وسیع کرو لیکن جب کہ آپ نے یہ نہیں لکھا۔ اور وصیت

کے بغیر بھی لوگ جنت میں جا سکتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ وصیت اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے ہے۔ اور اگر کسی وقت ۱/۱۰ حصہ کی قربانی اعلیٰ نمونہ کے لئے کافی نہ ہو۔ تو اس کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ میں اس کو جائز سمجھتا ہوں۔ آگے اس وقت کے فقہاء کیا فقاہت کریں گے۔ یہ ان کی بات ہے۔

گو اس اعتراض پر مجھے خوشی ہوئی۔ اگر یہ کسی نے کیا ہے۔ لیکن چونکہ میں نے خود معترض سے یہ نہیں سنا اس لئے بالکل قرین قیاس ہے کہ جس دوست نے مجھے سنایا ہے ان کو بات کے سمجھنے میں غلطی لگی ہو۔ لیکن اگر یہ صحیح ہے۔ تو میں اعتراض کرنے والے کو نصیحت کرتا ہوں کہ بہت الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کے منہ سے نکل جانے کے بعد انسان کو پچھتانا پڑتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے متعلق کسی نے کہا تھا آپ نے انصاف کے ماتحت مال کی تقسیم نہیں کی۔ آپ نے کہا اگر میں نے انصاف نہیں کیا تو اور کون کر سکتا ہے۔ ۲۔ اور پھر فرمایا اس شخص کی نسل سے ایسے لوگ ہوں گے جو دین کو برباد کرنے والے ہوں گے قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا۔ کیسا خطرناک انجام ہوا۔ جو کچھ معترض نے کہا ہے اس کا یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ ہم دین کے لئے زیادہ مانگتے ہیں۔ مگر یہ کونسی بری بات ہے۔ جو جائز تدبیر ہو وہ تو ثواب کا موجب ہے۔ مگر ایسی باتیں اپنے نتائج کے لحاظ سے قابل اعتراض ہوتی ہیں گو اپنے الفاظ کے لحاظ سے نہ ہو۔ دیکھو قرآن کریم میں آتا ہے خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے تم رسول کو راعنا (البقرہ ۱۰۵) نہ کہو گو تمہاری نیت اس لفظ سے یہ نہیں کہ رسول کی ہتک کرو۔ مگر یہ لفظ ہتک کرنے والا ہے۔ اگر تم اس لفظ کو استعمال کرو گے تو تم سے انعام چھین لئے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو انبیاء کے متعلق کس قدر غیرت ہوتی ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کو اپنے انبیاء کی غیرت ہوتی ہے۔ گو ان کی ذاتی خوبیاں بہت بڑھی ہوئی ہیں اور خلفاء میں ان کے مقابلہ میں کمزوریاں ہوتی ہیں۔ ان میں انبیاء کی طرح معصومیت نہیں ہوتی۔ مگر جس مقام پر ان کو کھڑا کیا جاتا ہے۔ اس کی غیرت کی وجہ سے ان پر اعتراض کرنے والے بھی ٹھوکر سے نہیں بچ سکتے۔ تم میں سے اگر کسی کو اپنے ایمان کی فکر نہ ہو تو نہ ہو مگر مجھے ہے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت جیسی سلامت ایمان والی مجھے ملی تھی۔ اس سے بڑھ کر چھوڑ کے جاؤں پس ایسے الفاظ اپنے منہ سے نہ نکالو جو خدا تعالیٰ کی غیرت کو بھڑکانے والے ہوں۔ اور ایسی باتیں مت کرو جن کا تمہیں صحیح علم نہ ہو۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے هل شققت قلبه ۳۔ کیا تم نے اس کا سینہ پھاڑ کر دیکھ لیا۔ میں کہتا ہوں ایک منافق کو جو حق اسلام دیتا ہے۔ وہ خلیفہ کو بھی ضرور ملنا چاہئے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں ایسا

منافق جو تلوار سے جنگ کر رہا ہوں وہ بھی اگر کہے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کی بات کو قبول کر لینا چاہئے کیونکہ اس کا دل چیر کر کسی نے نہیں دیکھ لیا۔ جب یہ ادنیٰ ترین حق ہے جو اسلام منافق کو بھی دیتا ہے۔ تو میں نہیں سمجھتا خلیفہ ہونے پر یہ حق کیونکر اس سے چھینا جا سکتا ہے۔ پس ایسی باتیں نہ کرو جن کا علم نہ ہو۔

پھر میں اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وصیت آزمائش ایمان کا ذریعہ ہے۔ وصیت پیمانہ ہے ایمان کو ناپنے کا اور وصیت آئینہ ہے اپنی ایمانی شکل دیکھنے کا۔ میں اس کے متعلق کچھ زیادہ نہیں کہتا۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ میں تمہاری نسبت اعلم ہوں اس معاملہ کے متعلق اور وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ ابھی میں اصل مسئلہ کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ مجھے اس بارے میں دوستوں سے مشورہ کرنا ہے۔ مگر میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کے لوگوں میں قربانی اور ایثار کے جذبات پیدا کرے۔ اور ہم اس کے قرب کو حاصل کر سکیں۔ اور اس کے فضلوں کے وارث ہوں۔

(الفضل ۸ جون ۱۹۲۶ء)

۱۔ طبقات ابن سعد القسم الثانی الجزء الثانی

۲۔ بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعرج الملائکۃ والروح الیہ

۳۔ مسلم کتاب الایمان باب من مات لایشرک باللہ دخل الجنۃ